بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علم نحو کے چند نوادر و غرائب قوانین پر مشتمل ایک دلچسپ تحریر

اللطائف القادریۃ فی القواعد النحویۃ

(حصہ اول)

مؤلف

قاطع کفر و بدعت، داعی پیغامات اعلیٰ حضرت نازش افتاء و تدریس

حضرت علامہ مفتی عبد الرحمن صاحب قادری حشمتی

صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر

ناشر

مکتبہ حشمتیہ

الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر ماہم ضلع گونڈہ یوپی

بکاوش

مشن شیر سنت گروپ

نام کتاب ــــــــ اللطائف القادریۃ فی القواعد النحویۃ

مؤلف ــــــــ حضرت علامہ مفتی عبد الرحمن صاحب قادری حشمتی صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر

پیش لفظ ــــــــ نبیرۂ حضور مظہر اعلیٰحضرت شہزادۂ حضور معصوم ملت حضرت مولینا مفتی محمد فاران رضا خاں صاحب قبلہ حشمتی

سن اشاعت ــــــــ بار اوّل صفر المظفر ۱۴۴۴ھ مطابق ستمبر ۲۰۲۲ء

کمپیوزنگ ــــــــ الحشمت گرافکس

ناشر ــــــــ مکتبہ حشمتیہ، الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر ماہم ضلع گونڈہ یوپی

صفحات ــــــــ ۳۲

تعداد ــــــــ ۱۱۰۰

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ حشمتیہ، الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر ماہم ضلع گونڈہ یوپی

(۲) الجامعۃ الہادیۃ الحشمتیہ بھیونڈی ممبئی

(۳) دار العلوم حشمت الرضا کرنیل گنج کانپور یوپی

Distributer

1. MAKTABA-E-HASHAMTIA
   Al-jamiat-ul-hashmatia Mushahid Nagar Mahim
   Distt. Gonda Pin:.271312
2. ALJAMIAT-UL-HADIYA HASHMATIA
   Bhiwandi Mumbai Maharashtra
3. DARUL-ULOOM HASHAMT-UR-RAZA
   Colonel Ganj Kanpur (U.P)

پیش لفظ

تمام خوبیاں اللہ عزوجل کے لئے جس نے مختلف علوم وفنون سمجھنے کی قوت عطا فرمائی اور درود وسلام نازل ہو اس کے محبوب پر جس نے قرآن تک رسائی کے وسائل وذرائع تعلیم فرمائے اوران کے آل واصحاب پر جنہوں نے ان ذرائع کی تدوین فرماکرانھیں زندگی عطا فرمائی اور تمام مؤمنین پر۔

امابعد

ارشاد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے ''**خیرکم من تعلم القرآن و علمہ**''تم میں سے بہتر وہ ہیں جنہوں نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو سکھایا۔

مطلع اسلام میں جبکہ خورشید اسلام نے اپنی پرلطف و پرکشش کرنوں سے جزائر عرب کو غیر معمولی طور پر روشن کیا اُس وقت قرآن وسنت کے افہام وتفہیم کے درمیان کوئی بڑی رکاوٹ حائل نہ ہوئی۔ وجہ ظاہر ہے کہ ان کی مادری زبان عربی ہی تھی بھلا اس کو سمجھنے کیلئے کوئی رکاوٹ کیونکر حائل ہوتی۔ مگر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ادوار میں جبکہ خورشید اسلام نے عرب ممالک کے ساتھ ساتھ عجم کے کتنے ہی علاقوں کو اپنے دامن تنویر میں لیا اور ایران وعراق روم وافریقہ جیسے بہت سے خطے اس کے زیر نگیں آگئے۔

اس وقت صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جگہ جگہ پہونچ کر قرآن وسنت کی ترویج واشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا ہے جس کی تفصیل ایک مستقل اور مختلف عنوان چاہتی ہے۔

خدمات صحابہ کے اس چھوٹے روشن دان کو یہاں نصب کرنے کا مقصد بس اس قدر بتانا ہے کہ چونکہ قرآن وسنت کی تبلیغ میں زبان عربی ایک بنیادی عنصر تھی اسلئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اشرف الکتب کو اشرف اللغات میں اشرف الرسل پر اشرف الملائکہ کے ذریعہ نازل فرمایا۔

لہٰذا عجمیوں تک اس کی رسائی کے لئے کچھ قواعد وقوانین کی سخت ترین ضرورت درپیش آئی۔

بس اسی ضرورت کی تکمیل کے خاطر جو علوم وفنون معرض وجود میں آئے انہیں میں علم نحو، علم صرف، علم عروض، علم کلام وغیرہ ہیں۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ زبان عربی قرآن وسنت کی ہمیشہ مرہون منت رہے گی کہ انہیں کے سبب تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کے طویل عرصے کے بعد بھی اس کی صحت ہنوز برقرار ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ برقرار رہے گی۔

قرآن وحدیث کی فہم میں سہولت وآسانی نیز احکام شریعت کے ادراک کیلئے جہاں دیگر علوم اسلامیہ کی ضرورت ہے وہیں علم ''نحو'' کو بنیادی درجہ حاصل ہے کہ بغیر اس علم کے قرآن وحدیث سمجھنے کا دعویٰ مضحکہ خیز بھی ہے اور جہل مرکب بھی اور یہ فرقۂ غیر مقلدین کی امتیازی صفت ہے۔

اب کون سے علوم دین میں نافع ہیں، اس کے تعلق سے امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰحضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہٗ القوی فرماتے ہیں:

''ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط وتفسیر قرآن بے افراط وتفریط خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی بیان کہ فی حد ذاتہا امر دینی نہیں مگر فہم قرآن وحدیث کیلئے وسیلہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ شریف جلد ۲۳)

کہتے ہیں کہ علم نحو مولائے کائنات مشکل کشا شیر خدا مظہر العجائب والغرائب دافع المعضلات والمصائب حضرت سیدنا وسندنا وکنزنا وذخرنا باب العلم علی ابن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ونورنا اللہ تعالیٰ بنورہ العظیم کی ایجاد ہے۔

بعض کے نزدیک ابوالاسود دوائلی اسکے موجد ہیں، پھر سیبویہ، خلیل نحوی اور جاحظ وغیرہ کو اس فن کے بلند ترین معماروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

علم نحو کی بنیادی باتیں

تعریف کی دو قسمیں ہیں لغوی اور اصطلاحی۔

لغت میں نحو کے مشہور سات معانی آتے ہیں ،جنہیں ایک عربی شاعر نے اپنے ان اشعار میں ذکر کئے ہیں۔

نَحَوْنَا نَحْوَ دَارِكَ يَا حَبِيْبِيْ
لَقِيْنَا نَحْوَ اَلْفٍ مِنْ رَقِيْبٍ
وَجَدْنَاهُمْ مَرِيْضاً نَحْوَ كَلْبٍ
تَمَنَّوْا مِنَّا نَحْوًا مِنْ زَبِيْبٍ
وَهُمْ مِنْ نَحْوِ عُبَّادِ الصَّلِيْبِ
نَحَوْتُ قَلْبِيْ فِيْكَ يَا حَبِيْبِيْ

شاعر نے ان اشعار میں نحو کو سات بار استعمال کیا اور ساتوں کے معانی مختلف ہیں ۔ ذیل میں انہیں اشعار کو ان سات معانی کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

قَصَدْنَا جَانِبَ دَارِكَ يَا حَبِيْبِيْ
لَقِيْنَا مِقْدَارَ اَلْفٍ مِنْ رَقِيْبٍ
وَجَدْنَاهُمْ مَرِيْضاً مِثْلَ كَلْبٍ
تَمَنَّوْا مِنَّا نَوْعاً مِنْ زَبِيْبٍ
وَهُمْ مِنْ قَبِيْلَةِ عُبَّادِ الصَّلِيْبِ
صَرَفْتُ قَلْبِيْ فِيْكَ يَا حَبِيْبِيْ

انہیں سات معانی کو ایک فارسی شاعر نے اپنے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

ہفت معنیٰ در بیان نحو اے جانم بجو
قصد و مقدار و قبیلہ صرف و نوع و شبہ و سو

تعریف اصطلاحی مشہور ہے اور وہ یہ کہ:

”هُوَ عِلْمٌ بِاُصُوْلٍ يُعْرَفُ بِهَا اَحْوَالُ اَوَاخِرِ الْكَلِمِ الثَّلَاثِ مِنْ حَيْثُ

الْاِعْرَابِ وَالْبِنَاءِ وَكَيْفِيَّةُ تَرْكِيْبِ بَعْضِهَا مَعَ بَعْضٍ“۔

یعنی علم نحو وہ علم ہے جسکے ذریعے پہچانا جاتا ہے اسم فعل حرف کے آخر کو معرب اور مبنی کے اعتبار سے اور بعض کلمات کو بعض سے ملانے کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

غرض علم نحو

صِيَانَةُ الذِّهْنِ عَنِ الْخَطَاءِ اللَّفْظِيِّ فِيْ كَلَامِ الْعَرَبِ

یعنی عربی زبان میں ذہن کو خطائے لفظی سے بچانا ہے ۔ ظاہر کہ زبان ذہن کے تابع ہوا کرتی ہے ۔لہٰذا لسانی خطاؤں سے حفاظت کیلئے لازم ہوا کہ ذہن کو خطاؤں سے بچایا جائے۔

مبتدی طلبہ سے منتہی طلبہ تک جس کسی کے سامنے علم نحو کا ذکر ہو پہلے پہل جو عربی فقرہ نحو کی افادیت واہمیت کا اعلان کرتا ہوا حاشیۂ ذہن پر نمودار ہوتا ہے وہ **النحو فی الکلام کالملح فی الطعام** ہے جس طرح نمک کے بغیر کھانا بدمزہ ہے یونہی نحو کے بنا کلام بے مزہ ہے ۔اب جیسے نمک کی مختلف دیار میں مختلف اقسام ہیں لاہوری نمک، سانبھری نمک، سمندری نمک ہر ایک دوسرے سے جداگانہ مزہ رکھتا ہے یونہی شئ واحد میں نحو کے مختلف دیار میں مختلف قواعد و قوانین ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ عجمی اور خاص کر مبتدی طلبہ کو اگر ان مختلف قواعد کی طرف توجہ دلائی جائے تو وہ عظیم الجھنوں سے دوچار ہو کر رہ جاتے، علم حاصل کرنا درکنار علم نحو کے نام سے خوف کھاتے ۔بایں وجہ جو کتابیں ان طلبہ کیلئے زیور تحریر سے آراستہ کی گئیں ان میں مشہور یا کثیر الاستعمال قواعد و قوانین پر اکتفا کیا گیا ہے۔

نحو میر ،ہدایۃ النحو وغیرہ کتب متداولہ اسی داب پر معرض تحریر میں آئیں ۔ ہاں البتہ ان کتابوں کے مصنفین جگہ جگہ اس طرف اشارہ ضرور کر گئے کہیں کہا کہ لغت بنی طے میں ایسا ہے کہیں کہا کہ بصری ایسا کہتے ہیں اور کوفی ایسا کہتے ہیں کہیں تنازع فعلان کی بحث چھیڑ گئے یہ سب اشارے تھے کہ بحر نحو کے حدود اربعہ یعنی چوحدی یہیں تک محدود نہیں بلکہ ایک قدم ذرا آگے بڑھائیں تو مختلف رنگوں میں اس سمندر کی حد تا حد نگاہ نظر آئے اور جس کو ہم کل سمجھ بیٹھے تھے وہ ایک دریا مثل

نیل قرار پائے۔

مولیٰ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے حضرت علامہ مفتی عبدالرحمن صاحب قبلہ حشمتی صدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر کو جنھوں نے ان قواعد وقوانین کو ذکر کر کے بربط ذہن وفکر پر وہ ساز چھیڑے جن سے کتنے ہی صاحبان ذوق لطیف نا آشنا ہیں۔

حضرت موصوف نے اس سمندر کی مختلف نہروں کو ان اوراق میں جمع کر دیا ہے جن کے توسط سے منتہی طلبہ زبان وبیان کی مختلف امواج میں غواصی کر کے زبان وبیان کے مزید صدفہائے گرانمایہ تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔ ممکن کہ اس طرز پر اوروں نے بھی کلام کیا ہو مگر حضرت مصنف کی یہ کتاب کئی وجوہ سے ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے۔

ان میں سے ایک ان کا پرکشش ونرالہ انداز بیان ہے کہ پہلے کسی ایک مشہور نحوی قانون کو مع تمثیل ذکر کرتے ہیں پھر معًا اس قانون کے خلاف کوئی مستند عبارت لاکھڑی کرتے ہیں جس سے قاری کو اپنی ذہنی صحت برقرار رکھنا دشوار ہو جاتا ہے ۔ پھر جب "الجواب" کہہ کر اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ دراصل یہ نمک اس نہر کا نہیں ہے یہ تو کسی اور ہی نہر کا نمک ہے۔ تو حضرت مصنف کے تئیں زیر لب تعریفانہ مسکراہٹ پھیل جاتی ہے اور قاری ایک خوشگوار علمی ماحول سے دوچار ہوتا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور طالبان علوم دینیہ کے لئے مفید فرمائے ۔ آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

فقیر سگ بارگاہ مشاہد
محمد فاران رضا خاں حشمتی غفرلہ القوی
آستانۂ عالیہ حشمتیہ حشمت نگر پیلی بھیت شریف
ونائب صدر المدرسین الجامعۃ الحشمتیہ مشاہد نگر گونڈہ
۲۶ ذی القعدۃ الحرام ۱۴۴۳ھ مطابق ۲۶ جون یکشنبہ ۲۰۲۲ء

تھے وسیلہ سب نبی تم اصلِ مقصودِ ھُدیٰ ہو
پاک کرنے کو وضو تھے تم نمازِ جانفزا ہو
سب بشارت کی اذاں تھے تم اذاں کا مدعا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے تم مؤخر مبتدا ہو
قربِ حق کی منزلیں تھے تم سفر کا منتہا ہو
قبلِ ذکر اضمار کیا جب رتبہ سابق آپ کا ہو

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم

از حضور سیدنا اعلیحضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان ۞ علمہ البیان ۞ واعطاہ سمعاً وبصراً وعلماً فزان ۞ وجعلہ مظہر الصفات الرحمٰن ۞ ولم یجعلہ معدوماً بفناء الابدان والصلوٰۃ والسلام الاتمام الاکملان ۞ علی لسمیع البصیر العلیم النذیر الملك المستعان ۞ المولیٰ الکریم الرؤف الرحیم العظیم الشان ۞
سیدنا ومولانا محمد النافذ حکمہ فیك عوالم الامکان ۞
وعلیٰ اٰلہ وصحبہ وابنہ الغوث الباہر السلطان ۞
الحی المنعم فی لقبر المکرم بفضل لمنان ۞

اما بعد

کتب دینیہ ودرسیہ کے مطالعہ کے دوران علوم وفنون کے نوادر ولطائف زیر نظر گزرتے ہیں حسب ذوق لطیف وفہم عمیق ارباب علم ودانش ان کو نشان زد کر کے محفوظ کر لیتے ہیں اسی مروجہ عادت کے مطابق فقیر نے بھی علاوہ دیگر علوم وفنون کے علم نحو کے نوادر ولطائف موقع بموقع نشان زد کر کے رکھے تھے بہت سے احباب ومحسنین بالخصوص محسن ابن محسن کریم ابن کریم شہزادۂ معصوم ملت حضرت علامہ مفتی محمد مہران رضا خاں صاحب قبلہ دام ظلہ الاقدس ان کو شائع کرنے کا مشورہ دیتے اور میں عدیم الفرصتی کا بہانہ کر کے ٹال دیتا تھا بہر کیف وقت میسر آیا اور ان تمام منتشر نشان زد حوالوں اور دیگر بہت سے نوادر وغرائب کو یکجا کیا۔ اللہ عزوجل اس سعی کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور طالبان علوم دینیہ کے لئے مفید فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

اعراب فاعل ومفعول

یہ ایک واضح اور عام بات ہے کہ فاعل مرفوع اور مفعول منصوب ہوتا ہے۔

ہدایۃ النحو صفحہ ۱۹/ پر ہے:

" کل فعل لابد لہ من فاعل مرفوع مظہر کذہب زید"

یعنی ہر فعل کیلئے ایک فاعل مرفوع مظہر کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے "ذہب زیدٌ"

اور ہدایۃ النحو ہی کے صفحہ ۱۸/ پر ہے کہ:

"الاسماء المرفوعۃ ثمانیۃ اقسام الفاعل"

یعنی اسماء مرفوعہ آٹھ ہیں، پہلا فاعل۔

اور ہدایۃ النحو کے صفحہ ۳۱/ پر ہے کہ:

"الاسماء المنصوبۃ اثنا عشر قسماً المفعول المطلق وبہ وفیہ ولہ ومعہ" یعنی مفعول منصوب ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات ثلثہ سے یہ ثابت ہوا کہ فاعل مرفوع اور مفعول منصوب ہوتا ہے یہی عام ضابطہ ہے۔

اب آیئے غرائب ولطائف ملاحظہ کیجئے۔

الاقوال الغریبۃ

شرح ابن عقیل میں ہے کہ:

"وقد یرفع المفعول وینصب الفاعل عند امن اللبس" کقولہم 'خرق الثوب المسمار'۔"

کیل نے کپڑے کو پھاڑ دیا۔

یہاں "الثوب" کو مرفوع پڑھا جاتا ہے جو کہ مفعول ہے اور "المسمار" کو منصوب پڑھا جاتا ہے جو کہ فاعل ہے۔

اور همع الهوامع جلد ۲/صفحہ ۶/ پر ہے کہ:

عبارت همع الهوامع

وسمع رفع المفعول به، و نصب الفاعل حکوا:

"خرق الثوب المسمار، وکسر الزجاج الحجر"

یعنی مفعول بہ کا رفع اور فاعل کا نصب سنا گیا ہے، جیسے مذکورہ مثالیں۔ پتھر نے شیشہ کو توڑ دیا، یہاں **الحجر** کو منصوب پڑھا جاتا ہے کیونکہ فاعل ہے اور **الزجاج** کو مرفوع پڑھا جاتا ہے جو کہ مفعول ہے۔

وسمع ایضاً رفعهما:

قال: کیف من صاد عقعقان و بوم۔

اور ان دونوں یعنی فاعل و مفعول کا مرفوع ہونا بھی سُنا گیا ہے مثلاً شاعر کا قول:

اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے دو عقعق کوّے نما پرندوں اور ایک اُلّو کا شکار کیا۔

محل استشهاد: **عقعقان** اور **بوم** ہے یہ دونوں بر بنائے مفعولیت منصوب ہونا چاہیے یعنی **عقعقین** اور **بومًا** ہونا چاہئے کیونکہ تثنیہ حالت نصبی میں یا ماقبل مفتوح کے ساتھ ہوتا ہے مگر التباس سے امن کی وجہ سے شاعر نے مرفوع پڑھا ہے۔

"ونصبهما قال: قد سالم الحیات منه القدماء"

اور فاعل و مفعول دونوں کا منصوب ہونا بھی سُنا گیا ہے مثلاً قدم سانپ سے محفوظ رہا۔

محل استشهاد: **حیات** اور **القدماء** ہے۔

"والمبیح لذالك کله فهم المعنی وعدم الالباس ولایقاس علی من ذالك"

یہ اس وقت ہے جبکہ صورۃ و معنًی التباس کا خوف نہ ہو اور کسی کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ سماع پر موقوف ہے۔

بحث اسم تفضیل

اسم تفضیل کے متعلق علم الصیغہ صفحہ ۱۴/ پر ہے کہ:

''اسم تفضیل کہ دلالت کند بر زیادت معنی فاعلیت نسبت بدیگر بروزن افعل آید مگر از لون وعیب نمی آید'' ۔

ترجمہ: اسم تفضیل جو کہ معنی فاعلیت کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے بہ نسبت دیگر، **افعل** کے وزن پر آتا ہے مگر لون وعیب سے نہیں آتا ہے۔ یعنی اگر لفظ کے اندر لون وعیب کا معنی پایا جاتا ہے تو اسم تفضیل **افعل** کے وزن پر نہیں آئے گا۔

اور ہدایۃ النحو صفحہ ۷۹/ پر بھی کچھ اسی طرح ہے۔

"وصیغته افعل: فلایبنی الا من الثلاثی المجرد الذی لیس بلون و لاعیب نحو زید افضل الناس"

یعنی اسم تفضیل کا صیغہ **افعل** ہے تو وہ بنایا نہیں جاتا مگر ثلاثی مجرد سے جو لون وعیب سے نہ ہو۔ اگر لون وعیب والے لفظ سے معنیٰ تفضیل مراد لینا ہوتا ہے تو لفظ **اشد** و **اقویٰ** وغیرہ لاتے ہیں اور اسکے ساتھ اس لفظ کا مصدر استعمال کرتے ہیں، مثلا: **اشد حمرۃً**۔

زبان افصح الفصحا

بخاری شریف اور مشکوۃ کتاب الحوض میں حدیث پاک موجود ہے کہ:

"قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حوضی مسیرة شهر ماءہٗ ابیض من اللبن وریحه اطیب"

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا حوض ایک مہینے کا راستہ ہے اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے۔

محل استشهاد: لفظ ابیض ہے جو ضابطہ ماقبل میں مذکور ہوا اس اعتبار سے **اشد بیاضاً** ہونا

چاہئے کیونکہ لون وعیب سے تفضیل بروزن افعل نہیں آتا ہے۔

الجواب

اس کا جواب مرأۃ المناجیح جلد نمبر ۷ / صفحہ ۴۰۵ / پر ہے کہ اس فرمان سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے کیونکہ سرکار تو نحویوں اور صرفیوں کے امام الائمہ ہیں۔

اور نزہۃ القاری جلد نمبر ۹ / صفحہ ۵۹ میں یہ جواب دیا گیا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ کسی راوی کا تصرف ہے، اس پر علامہ عینی نے کہا کہ اسے راویوں کا تصرف کہنا تحکم ہے اور نحویوں کے قاعدے کا لحاظ کر کے اسے قلت پر محمول کرنا بے جا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بھی ٹھیک ہے۔

اسم تفضیل میں مطابقت وعدم مطابقت

فن کے جاننے والے پر یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ اسم تفضیل میں واحد مذکر کے ساتھ استعمال کیلئے افعل کا وزن ہے اور مونث کیلئے فُعلیٰ کا وزن ہے۔

اعتراض وایراد

اور اگر ایسا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تو بخاری شریف جلد نمبر ۱ / کتاب الزکوٰۃ صفحہ ۱۹۱ / کی ایک حدیث کا یہ ٹکڑا کہ:

اَیُّنَا اسرع بك لحوقا قال اطولکن یداً

ہم میں سب سے جلد آپ سے کون ملے گا؟

محل استشہاد: لفظ اطولکن ہے۔

اسم تفضیل کا جو قانون اوپر بیان ہوا اس اعتبار سے اطولکن یداً نہیں بلکہ ید کی مناسبت سے طولکن ہونا چاہیے کیونکہ ید مونث سماعی ہے۔

الجواب

اطول اسم تفضیل کُنّ کی طرف مضاف ہے اور اضافت کے وقت اسم تفضیل میں مطابقت لازم نہیں ہوتی۔ نزہۃ القاری جلد نمبر ۴ / صفحہ ۱۷۷

استعمال اسم تفضیل کے وجوہ ثلثہ

اسم تفضیل کے استعمال کے متعلق نحومیر کے صفحہ ۲۹ / پر لکھا ہے کہ:

”بہ من چوں زید افضل من عمر یا بالف ولام چوں جاء نی زید الافضل یا باضافت چوں زید افضل القوم“

یعنی اسم تفضیل کا استعمال تین طریقے سے ہوتا ہے۔ الف لام کے ساتھ، اضافت کے ساتھ اور من کے ساتھ۔

اعتراض وایراد

اس میں کوئی شک نہیں کہ کتب نحویہ میں استعمال کے یہی طریقے بتائے گئے ہیں، مگر پریشانی یہ ہے کہ امام بیضاوی نے تفسیر بیضاوی میں لکھا کہ:

”وادل علی الاختصاص وادخل فی التعظیم واوفق للوجود“

ادل، ادخل، اوفق تینوں اسم تفضیل کے وزن پر ہیں اور تینوں میں سے کسی میں بھی وجوہ ثلثہ میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔

الجواب

کتب نحویہ میں اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

(۱) یہ قانون اس وقت ہے جب کہ اسم تفضیل معنی تفضیل پر باقی ہو اور مذکورہ مثالوں میں اسم تفضیل معنیٔ تفضیل پر باقی نہیں بلکہ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔

(۲) اس قاعدے کا اس وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے جب اسم تفضیل خبر واقع ہو اور مفضل علیہ معلوم اور متعین نہ ہو۔ (انوار البیضاوی صفحہ ۱۱۱)

عدد اور معدود کی بحث

عدد اور معدود کے الگ کئی قانون ہیں اور انہیں میں سے ایک قانون یہ ہے کہ معدود اگر مذکر ہو تو عدد کو مؤنث لایا جائے گا اور معدود اگر مونث ہو تو عدد کو مذکر لایا جائے گا۔

مثلاً: ثلثۃ رجال، وثلث نسوۃ۔ (ہدایۃ النحو)

اعتراض وایراد

بخاری شریف جلد نمبر ۱/صفحہ نمبر ۴۵۶ کی ایک روایت میں باربع کلمات استعمال ہوا ہے اور بعض روایتوں میں باربعۃ کلمات استعمال ہوا ہے حالانکہ اوپر بیان ہوئے عدد معدود کے ضابطے کے مطابق باربع کلمات ہی ہونا چاہئے!

الجواب

اس کا جواب حدیث کی شرح میں نزہۃ القاری جلد نمبر ۶/صفحہ ۴۱۸/ پر یہ دیا گیا ہے کہ: علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ معدود جب مبہم ہوتو عدد کی تذکیر اور تانیث دونوں جائز ہے اور یہاں معدود مبہم ہے۔

اس لئے باربع کلمات اور باربعۃ کلمات دونوں جائز ہے۔

فعل کو واحد لانے کی بحث

ہدایۃ النحو صفحہ ۱۹/ پر ہے کہ:

ان کان الفاعل مظهر اً وحد الفعل ابداً

یعنی اگر فاعل مظہر ہوتو فعل کو ہمیشہ واحد لایا جائے گا۔

جیسے "ضرب زید"

اعتراض وایراد

بخاری شریف جلد نمبر ۱/صفحہ نمبر ۴۹۲ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ "قد قزرنی الناس"

اس حدیث کے تحت علامہ کرمانی کی ایک روایت نزہۃ القاری میں ذکر کی ہے کہ: "قد قزرنی الناس"

قانون نحو کے مطابق یہ عربی غلط ہے کیونکہ فاعل مظہر ہے اور فاعل جب مظہر ہوتو فعل کو واحد لایا جاتا ہے!

الجواب

اس کا جواب نزہۃ القاری جلد نمبر ۶/صفحہ ۵۸۲/ پر یہ دیا گیا ہے کہ: "عرب کی بعض لغات میں یہ بھی جائز ہے اور اسی لغت کو نحوی "اکلونی البراغیث" کی لغت سے تعبیر کرتے ہیں۔ مجھے بروں نے کھالیا"۔

یہاں براغیث فاعل مظہر جمع کے مطابق فعل کو جمع لایا گیا ہے اور یہ لغت بنی حارث بن کعب کی ہے جو عرب کی ایک جماعت ہے۔

شرح ابن عقیل میں ہے:

"هذا على المشهور من لغة العرب ويجوز على لغة اكلونى البراغيث"

حروف مشبہ کے عمل کی بحث

ہر کوئی جانتا ہے کہ حروف مشبہ بالفعل اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع کرتے ہیں۔

ہدایۃ النحو صفحہ ۱۰۷/ پر ہے کہ: "هذه الحروف تدخل على الجملة الاسمية تنصب الاسم وترفع الخبر"

یعنی یہ حروف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تو اسم کو نصب اور خبر کو رفع کرتے ہیں۔ مثلاً

اِنَّ زیداً قائمٌ

الاعتراض، اللغة العجيبة

بخاری شریف جلد نمبر ۱/کتاب الاذان صفحہ نمبر ۱۱۴/ میں ایک حدیث کا یہ ٹکڑا ہے کہ:

انّ رجلائی لاتحملانی" بیشک میرے پاؤں بار برداشت نہیں کر پاتے،

انّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور رجلائی اس کا اسم ہے رجلَیّ ہونا چاہئے نا کہ رجلائی، کیونکہ اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے!

الجواب

اس کی دو توجیہ ہے ایک یہ کہ اِن حرف مشبّہ نہیں بلکہ حرف ایجاب ہے اور نعم کے معنی

میں ہے، دوسری یہ کہ یہ عبارت بنی حارث کی لغت پر ہے اور بنی حارث اِنَّ کے اسم کو نصب نہیں دیتے انہیں کی لغت پر ''اِنَّ ھذا الساحران'' کی قرأت ہے۔(نزہۃ القاری نمبر ۳ر صفحہ ۲۷۹)

لغت جھوٹی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے

مشکوٰۃ شریف باب القصاص صفحہ ۳۰۰ر میں یہ حدیث پاک ہے کہ:

''لو ان اھل السماء والارض اشترکوا فی دم مومن لا کبھم اللہ فی النار''

یعنی اگر آسمان و زمین والے ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ انہیں آگ میں اوندھے ڈال دے۔

بحث

یہاں لفظ لا کبھم ہے، اور بعض روایات میں لکبھم آیا ہے، قاعدۂ صرفیہ یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ ثلاثی مجرد میں لازم ہوتا ہے اور اگر متعدی بنانا ہو تو ب وغیرہ صلہ کے ذریعہ بناتے ہیں یا باب افعال میں لاکر متعدی بناتے ہیں جیسے ذھب معنیٰ گیا اور ذھب ،ب صلہ کے ساتھ معنیٰ ہے لے گیا۔ اللہ فرماتا ہے ذھب اللہ بنورھم، ای اذھب۔

شرح مأتہ عامل میں ہے۔

''وللتعدیۃ نحو قولہٖ تعالیٰ ذھب اللہ بنورھم و نحو ذھبت بزید ای اذھبتہ''

لیکن مذکورہ مشکوٰۃ شریف کی روایت میں لا کبّھم استعمال ہوا ہے اور بعض روایت میں لا کبّھم کے بجائے لکبّھم استعمال ہے۔

اور یہ اس لئے کہ کب کے معنی اوندھا ڈالا، اور اکب کے معنی اوندھا گرا، یعنی یہ ایسا لفظ ہے جو مجرد میں متعدی ہے اور باب افعال میں آکر لازم ہے۔

اور اگر ایسا ہے تو لا کبّھم اللہ میں باب افعال سے متعدی کیوں استعمال ہوا ہے ہر جگہ لکبّھم ہونا چاہئے۔

الجواب

اس کا جواب مرأۃ المناجیح جلد نمبر ۵ر صفحہ ۲۲۴ر پر مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالے سے یہ دیا گیا ہے کہ:

اگر حضور کے فرمان میں لا کبّھم ہو تو لغت جھوٹی ہے حضور سچے ہیں، کیونکہ لغت قرآن و حدیث کی تابع ہے، قرآن و حدیث لغت کے تابع نہیں۔

اور فتح الباری جلد نمبر ۳ر صفحہ نمبر ۱۹۴ر پر ہے کہ ''والغرض انّ ھٰذہ الکلمۃ من النوادر حیث الثلاثی متعدیاً والمزید فیہ لازماً عکس القاعدۃ التصریفیۃ

اور نزہۃ القاری جلد نمبر ۴ر صفحہ نمبر ۲۳۰ر پر ہے کہ ''کبّ'' ان چند افعال میں سے ہے جو مجرد میں متعدی ہے اور باب افعال میں لازم۔

اضمار قبل الذکر

نحو جاننے والے پر یہ پوشیدہ نہیں کہ اضمار قبل الذکر نحو میں ممنوع و ناجائز ہے اطمینان کے لئے حوالہ ملاحظہ کریں۔ ہدایۃ النحو صفحہ ۲۲ر پر ہے کہ:

''اما حذف الفاعل او اضمار قبل الذکر و کلاھما محظوران''

یعنی حذف فاعل اور اضمار قبل الذکر دونوں ممنوع ہیں۔

اعتراض و ایراد

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہی قانون ہے تو قرآن پاک میں اس کے خلاف کیوں ہے؟ قرآن پاک میں ہے:

''حتی توارت بالحجاب'' حتیٰ کہ وہ پردے میں چھپ گیا یعنی سورج، یہاں سورج کا ذکر کئے بغیر ضمیر لے آئے تو اگر اضمار قبل الذکر ممنوع ہے تو قرآن پاک میں اضمار قبل الذکر کیوں؟

الجواب

نزہۃ القاری جلد نمبر ۴ر صفحہ نمبر ۱۷۹ر پر لکھا ہے کہ:

کبھی کبھی سیاق کلام سے مرجع کا متعین ہونا مشہور ہو تو مرجع کا ذکر کئے بغیر ضمیر لاتے ہیں۔ مثلاً

"حتی توارت بالحجاب"

اسماء ستہ مکبرہ موحدہ

اسماء ستہ مُکبرہ موحدہ جو مضاف ہو غیر یاء متکلم کی طرف ان کا اعراب ہدایۃ النحو صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے کہ:

"الرفع بالواو والنصب بالالف والجر بالیاء ویختص بالاسماء الستہ مکبرۃ موحدۃ"

یعنی حالت رفعی میں واو کے ساتھ، اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں یا کے ساتھ اور یہ خاص ہوتا ہے اسماء ستہ مُکبرہ کے ساتھ۔ مثلاً:

جاء ابوك، ورائيت اباك، ومررت بابيك

اعتراض وایراد

اعتراض یہ ہے کہ اگر یہی قانون ہے اور یہی ٹھیک ہے تو بخاری شریف جلد نمبر ۲ صفحہ ۵۷۳ پر یہ حدیث ہے کہ:

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم بدر من ينظر ما صنع ابو جهل فانطلق ابن مسعود فوجدهٗ قد ضربهٗ ابنا عفراء حتی برد فقال انت اباجهل"

محل استشہاد:

محل استشہاد اس حدیث میں انت اباجهل ہے، جو کہ ابوجہل ہونا چاہیے کیونکہ انت مبتدا ہے اور ابوجهل خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے، اگر قانون صحیح تو بخاری میں ایسا کیوں استعمال ہوا ہے؟

الجواب

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض لغات میں اسماء ستہ مُکبرہ کا اعراب تینوں حالتوں میں الف کے

ساتھ ہوتا ہے۔ (نزہۃ القاری جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۶۷)

اور شرح ابن عقیل جلد نمبر ۱ صفحہ ۶۰ پر ہے کہ:

"واللغة الاخرىٰ فی اب وتالیبه ان یکون بالالف رفعاً ونصباً وجراً وعلیه قول الشاعر" یعنی، اب، اخ، حم، میں دوسری لغت یہ ہے کہ تینوں حالتوں میں الف کے ساتھ ہو۔

اور اسی لغت پر شاعر کا یہ قول ہے کہ:

اِنَّ اباھا ابا اباھا

قد بلغا فی المجد عاتیاھا

ترجمہ: بیشک محبوبہ کا باپ اور اس کا دادا دونوں بزرگی کے انتہاء کو پہنچ چکے ہیں۔

محل استشہاد: اس شعر میں محل استشہاد "ابا اباھا" ہے مشہور لغت کے اعتبار سے "ابا ابیھا" ہونا چاہئے، مگر اسی لغت اخریٰ کے اعتبار سے "اباھا" آیا ہے!

وہابیوں کی جہالت فاحشہ

اور اسی لغت کے اعتبار سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ شعر ہے کہ: "وان رماہٗ بابا قبیس" اگرچہ وہ ابوقبیس سے مار ڈالا گیا،

بات دراصل یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے سوال ہوا کہ قتل مثقل میں قصاص ہے کہ نہیں تو فرمایا نہیں، "وان رماہٗ بابا قبیس"

اس پر وہابی بہت چلائے کہ دیکھو انہیں عربی نہیں آتی،

بات دراصل یہ ہے کہ جن کی مکمل پونجی نحو میر ہو وہ کیا جانیں کہ۔ ع:

"ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں"

احمق پڑھیں تب معلوم ہو کہ جس لغت کا استعمال امام اعظم ابوحنیفہ نے کیا اسی لغت کا استعمال بخاری میں بھی ہے۔ "لکن الوھابیۃ قوم یجھلون"

اور پھر آگے صفحہ ۱۶ر پر تھوڑی تفصیل اس طرح سے ہے کہ:

”وحاصل ماذکرہٗ ان فی اب واخ وحم ، ثلث لغاتٍ اشھرھا ان تکون بالواو و الالف والیاء والثانیة.أن تکون بالالف مطلقاً“

صیغۂ مبالغہ

مبالغہ کا معنٰی علم الصیغہ کے صفحہ ۷۱ر پر لکھا ہے کہ:

”درصیغہ مبالغہ منظور زیادت میباشد درمعنٰی فاعلیت فی حدذاتہ نہ نظر بدیگر“۔

یعنی مبالغہ کے صیغے میں زیادت منظور ہوتی ہے فاعلیت کے معنٰی میں اس کی حدذات میں نا کہ دوسرے کی طرف نظر کرتے ہوئے ۔مثلاً معنیٰ ضرّاب ،زیادہ زنندہ است وبس۔یعنی ضرّاب کا معنی زیادہ مارنے والا ہے اور بس۔

اعتراض وایراد

اگر مبالغہ کا یہی معنٰی ہے جو اوپر مذکور ہوا تو پھر قرآن کی آیت مبارکہ کا کیا جواب ہوگا؟”وما ربك بظلام للعبید“اور تیرا رب بندوں پر ظالم نہیں۔

محل استشہاد: لفظ ظلّامٌ ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے اور معنی ہے زیادہ ظلم کرنے والا ،اس اعتبار سے آیت کا معنی ہوگا اللہ بندوں پر زیادہ ظالم نہیں یعنی کچھ ظلم تو کرتا ہے اور یہ کفر ہے!

الجواب

کبھی کبھی صیغہ مبالغہ سے زیادتی نہیں اصل وصف کی نفی ہوتی ہے،مثلاً:

وماربك بظلّام للعبید۔ (نزہۃ القاری جلد نمبر۲ر صفحہ ۳۲۲)

اعراب مثنی

مثنی کا اعراب ہدایۃ النحو صفحہ ۱۱ر پر یہ لکھا ہے کہ:

” ان یکون الرفع بالالف والنصب والجر بالیاء المفتوح ما قبلھا ویختص بالمثنّیٰ“ رفع ہوگا الف کے ساتھ اور نصب وجر ہوگا یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ اور یہ

خاص ہوتا ہے مثنّیٰ کے ساتھ۔مثلاً:جاء الرجلان،ورأیت الرجلین،ومررت برجلین

اعتراض وایراد

ایک عربی شاعر کا قول ہے:

تزود منّا بین اذناہٗ طعنة

دعتهٗ الی ھابی التراب

محل استشہاد: لفظ اذناہٗ ہے جو تثنیہ کا صیغہ ہے اور بین مضاف کا مضاف الیہ واقع ہے۔ یعنی حالت جری میں ہے اور حالت جری میں تثنیہ کا اعراب یا ماقبل مفتوح کے ساتھ ہے،لہٰذا اذنیہ ہونا چاہئے ایسا کیوں؟

الجواب

یہ شعر جو آپ نے اعتراض میں پیش کیا یہ شرح ابن عقیل الجزالاول صفحہ ۶۸ر کے حاشیہ کا ہے اسی حاشیہ کے اوپر لکھا ہے:

”وماذکرہٗ المصنف من ان المثنّیٰ والملحق به یکونان بالالف رفعًا وبالیاء نصباً وجراً ھو المشھور فی لغة العرب ومن العرب من یجعل المثنّیٰ والملحق به بالالف مطلقًا رفعًا ونصبًا وجراً“

یعنی تثنیہ کا اعراب جو مصنف نے بیان کیا کہ حالت رفعی میں الف کے ساتھ، حالت نصبی میں اور جری میں یا کے ساتھ وہی مشہور ہے لغت عرب میں،اور عرب میں کچھ لوگ مثنّیٰ اور اس کے ملحق بہ کا اعراب مطلقاً الف کے ساتھ مانتے ہیں،رفعی نصبی ،جری تینوں حالتوں میں۔مثلاً:جاء الزیدان ورأیت الزیدان، ومررت بالزیدان،اور وہ شعر اسی لغت کے اعتبار سے ہے۔

اعراب نون تثنیہ وجمع سلامت

ہدایۃ النحو صفحہ ۱۲ر پر لکھا ہے کہ:

”ان نون التثنیة مکسورة ابداً ونون جمع السلامة مفتوحة ابداً“

یعنی نون تثنیہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور نون جمع سلامت ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔

اعتراض وایراد

اعتراض یہ ہے کہ اگر یہی قانون صحیح ہے تو استعمال اس کے خلاف کیوں ملتا ہے؟

یہ دیکھئے ایک عربی شاعر کا شعر ہے ؎

علیٰ احوذین استقلت عیشة فماھی الا لمحہ وتغیم

محل استشہاد: لفظ احوذین ہے جو تثنیہ ہے اور تثنیہ کا نون ہمیشہ مکسور ہو جاتا ہے مگر یہاں احوذین مفتوح پڑھا جاتا ہے، ایسا کیوں؟

الجواب

یہ شعر شرح ابن عقیل الجزء الاول صفحہ ۷۷؍ پر مکتوب ہے اور جہاں یہ شعر مکتوب ہے اسی صفحہ ۷۷؍ پر اسکا جواب بھی موجود ہے یہ دیکھئے!

"وحق نون المثنّٰی والملحق به الکسر وفتحها لغة ومنه قولهٗ علی احوذین

یعنی نون تثنیہ اور اس کے ملحق کا حق مکسور ہونا ہے اور اس کا مفتوح ہونا ایک لغت کے اعتبار سے ہے، اور اسی لغت کے اعتبار سے وہ شعر ہے جو اعتراض میں پیش کیا گیا ہے۔

نون جمع سالم کا اعراب

ماقبل میں ہدایۃ النحو کے حوالے سے یہ عبارت مذکور ہے کہ:

"ونون جمع السلامة مفتوحة ابداً"

اور جمع سالم کا نون ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔

اعتراض وایراد

ایک عربی شاعر کا قول ہے ؎

عرفنا جعفراً و بنی ابیه
و انکرنا زعانف آخرین

محل استشہاد: لفظ 'اخرینَ ہے جو جمع سالم ہے اور شعر میں نون کے کسرہ کے ساتھ 'اخرینِ پڑھا جاتا ہے!

الجواب

شرح ابن عقیل صفحہ ۷۶؍ پر ہے کہ:

"وحق نون الجمع وما الحق به الفتح وقد تکسر شذوذاً"

یعنی نون جمع سالم کا حق مفتوح ہونا ہے اور کبھی بطور شاذ مکسور ہوتا ہے، اسی اعتبار سے وہ شعر ہے جس میں 'اخرینِ کا نون مکسور ہے۔

اَنْ ناصِبہ

نحومیر کے صفحہ ۲۵؍ پر ہے کہ:

"حروفیکہ فعل مضارع رانصب کنندوآں چہار است اَنْ، لَنْ، کَیْ، اِذَنْ"۔ مثلاً:

"ارید ان تقومَ"

اعتراض وایراد

اگر قانون وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا تو قرآن پاک میں اس کے خلاف کیوں استعمال ہے؟

مثلاً: علم ان سیکونُ منکم مرضیٰ،، اس آیت کریمہ میں اَنْ کے دخول کے بعد بھی سَیَکُونُ، نون کے ضمہ کے ساتھ مرفوع پڑھا جاتا ہے اور قانون کے مطابق سَیَکُوْنَ، نون کے فتحہ کے ساتھ ہونا چاہئے!

الجواب

یہ اَنْ ناصبہ نہیں بلکہ اَنْ مخففه عن المثقله ہے۔ (ہدایۃ النحو)

مامشابہ بلیس کی بحث

مامشابہ بلیس، لیس کا عمل کرتا ہے یعنی اسم کو رفع خبر کو نصب، جیسے ما زید قائماً۔

ہدایۃ النحو صفحہ ۱۳۱؍ پر ہے: اسم ماولا المشبهتین بلیس وهو المسند الیه بعد

دخولھما نحو مازید قائماً۔ اوراسی اعتبار سے قرآن پاک میں ماھذا بشراً آیا ہے۔

اعتراض وایراد

اگر ماقبل میں مذکور قانون ٹھیک ہے تو قرآن پاک میں دوسری جگہ "ما انتم الا بشرٌ مثلنا" کیوں آیا ما انتم الا بشراً مثلنا ہونا چاہئے، مگر ہے الا بشرٌ مثلنا، کیونکہ ما مشابہ بلیس ہے اور انتم اس کا اسم ہے اور بشرٌ خبر ہے تو بشراً منصوب ہونا چاہئے۔

(۲) اور ایسے ہی ما انا الا نذیرٌ قرآن پاک میں آیا ہے قانون کے مطابق، ما انا الا نذیراً، ہونا چاہئے کیونکہ نذیراً خبر ہے؟

الجواب

مامشابہ بلیس کا یہ عمل اہل حجاز کے نزدیک ہے اور اہل حجاز کے نزدیک مامشابہ بلیس مطلق عمل نہیں کرتا بلکہ اس کے چند شرائط ہیں۔

شرح ابن عقیل کے مصنف نے اس کی چار شرطیں ذکر کی ہیں، جن میں سے دوسری شرط یہ ہے کہ الا کے ذریعہ نفی کا معنیٰ ختم نہ ہوا ہو جیسے "مازید الا قائمٌ" ورنہ عمل نہیں کرے گا کیونکہ "ما" لیسؔ کی مشابہت کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور یہ مشابہت نفی میں ہے پس جب نفی کا معنیٰ منتقض ہوا تو مشابہت باقی نہ رہنے کی وجہ سے عمل نہیں کرے گا جیسے اللہ عزّوجلّ کا فرمان:

ما انتم الا بشر مثلنا، ما انا الا نذیر۔

یہ دیکھئے شرح ابن عقیل جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۰۸

ولغة اھل الحجاز اعمالھا کعمل لیس شبھھا بھا فی انھا لنفی الحال عند الاطلاق، لکن لا تعمل عندھم الا بشروط ستة ذکر المصنف منھا اربعة۔

الثانی: ان لا ینتقض النفی بالا نحو مازید الا قائمٌ۔

فائدہ نافعہ

خیال رہے کہ یہ سب لغۃ حجاز کے اعتبار سے ہے لیکن لغۃ بنی تمیم کے اعتبار سے "ما" کچھ

بھی عمل نہیں کرتا۔

یہ دیکھئے شرح ابن عقیل، اس میں ہے:۔

امّا، فلغة بنی تمیم انھا لا تعمل شیاً فتقول "مازید قائمٌ"۔

واحد وجمع کی بحث

نحو میر صفحہ ۲۱ پر ہے کہ: اسم بر سہ صنف است، واحد، مثنیٰ، جمع،

جمع: آنست کہ دلالت کند بر بیش از دو، چوں "رجال" یعنی جمع وہ ہے جو دو سے زیادہ پر دلالت کرے جیسے "رجال" کئی آدمی۔

اعتراض وایراد

بخاری شریف، کتاب الاذان میں ایک حدیث پاک کا یہ ٹکڑا ہے کہ:

"فقال اِنکنّ صواحب یوسف، صواحب"

صواحب "صاحبة" کی خلاف قیاس جمع ہے اس سے مراد تنہا حضرت زلیخا ہیں، اور صرف حضرت زلیخا کیلئے صواحب جمع کا نہیں صاحبة واحد کا استعمال ہونا چاہیے اور خطاب بھی بظاہر حضرت حفصہ سے ہے اور مراد حضرت صدیقہ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنھن)

الجواب

کبھی کسی مصلحت کی بنا پر جمع بول کر واحد مراد لیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں "فلان یمیل الی النساء" فلاں عورتوں کی طرف مائل ہے حالانکہ اس کا میلان کسی ایک ہی کی طرف ہوتا ہے اسی اعتبار سے صواحب یوسف ہے کہ جمع بول کر واحد مراد ہے۔

(نزہۃ القاری جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۴۳)

اور صرف یہی نہیں کہ جمع بول کر واحد مراد لیا جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی جمع بول کر تثنیہ بھی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً قران پاک سورہ تحریم کی ایک آیت کا یہ ٹکڑا کہ: "فقد صغت قلوبکما" ضرور تمہارے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے ہیں۔

اس آیت میں قلوب جمع سے تثنیہ مراد ہے اور مشکوٰۃ شریف باب القصاص کی ایک حدیث کا یہ حصہ کہ: "واوداجهٔ تشخب دماً"، یعنی مقتول کی رگیں خون بہاتی ہونگیں، یہاں "اوداج"، جمع بول کر تثنیہ مراد ہے۔

دلیل کے طور پر یہ ملاحظہ کریں۔ مراۃ المناجیح جلد نمبر ۵ر صفحہ ۲۲۴ر پر ہے کہ:

"اوداج جمع ہے ودج کی یا ودجان کی یہ گردن کے آس پاس دو رگیں ہوتی ہیں جن کا تعلق دل سے ہوتا ہے"۔

یہ جمع بمعنی تثنیہ ہے جیسے صغت قلوبکما میں قلوب جمع بمعنی تثنیہ ہے۔

اعراب مستثنیٰ

نحو میر صفحہ ۳۴ر پر ہے کہ:

"اعراب مستثنیٰ بر چہار قسم است اول آنکہ اگر مستثنیٰ بعد الا در کلام موجب واقع شود پس مستثنیٰ ہمیشہ منصوب باشد نحو جاءنی القوم الا زیداً"۔

یعنی اعراب مستثنیٰ چار قسم پر ہیں، اول یہ کہ اگر مستثنیٰ الا کے بعد کلام موجب میں واقع ہو تو مستثنیٰ ہمیشہ منصوب ہوگا جیسے: "جاءنی القوم الا زیداً" "......."۔

اور ہدایۃ النحو صفحہ ۴۰ر پر ہے کہ:

"ان اعراب المستثنیٰ علی اربعۃ اقسام ،فان کان متصلا وقع بعد الا فی کلام موجب او منقطعاً ، کما مرّ اومقدما علی المستثنیٰ منہ ، نحو ماجاءنی الا زیدا احد اوکان بعد خلا وعدا عند الاکثر او بعد ماخلا وما عدا اولیس ولا یکون، نحو جاءنی القوم خلا زیداً، کان منصوبًا "

یعنی مستثنیٰ چار قسموں پر ہے ، تو اگر مستثنیٰ متصل واقع ہو الا کے بعد، کلام موجب میں ہو، یا منقطع ہو جیسا کہ گزرا، یا مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر جیسے "ماجاءنی الا زیداً احدٌ" ان سب صورتوں میں منصوب ہوگا۔

اعتراض وایراد

بخاری شریف جلد نمبر ۱ر صفحہ ۲۴۶ر کی ایک حدیث کا وہ حصہ جو نزہۃ القاری جلد نمبر ۴ر صفحہ ۴۵۰ر پر ہے کہ:

فَلَمَّا انصرفوا، احرموا کلھم الا ابو قتادۃ۔ اور جب واپس ہوئے تو سب نے احرام باندھ لیا مگر ابو قتادہ نے نہیں باندھا۔

اب سوال یہ ہے کہ مستثنیٰ بااِلّا کلام موجب میں واقع ہے ، اور ماقبل میں دو کتابوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا گیا کہ مستثنیٰ بااِلّا کلام موجب میں واقع ہو تو مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے اس لئے عبارت ابو قتادہ کے بجائے اباقتادۃ ہونا چاہئے اور یہی روایت یعنی اباقتادہ، کشمھینی کی ہے اور مُسلِمؒ کی بھی، مگر اکثر کی روایت الا ابو قتادۃ رفع کے ساتھ ہے حالانکہ یہ قانون کے خلاف ہے !

الجواب

علامہ عینی نے فرمایا کہ یہ مذہب اکثر متاخرین بصریین کا ہے مگر قرآن کریم میں، مستثنیٰ بالا کلام موجب میں ہونے کے باوجود مرفوع وارد ہے، ارشاد ہے: "فشربوا منهٔ الا قلیل منھم" یہاں مستثنیٰ بالا کلام موجب میں ہے اور مرفوع ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہاں اِلَّا بمعنی لکنّ استدراک کیلئے یعنی سب نے احرام باندھ لیا لیکن ابو قتادہ نے نہیں باندھا۔

(۲) کوفیوں نے کہا کہ اس قسم کے مواقع پر الا حرف عطف ہے اس کا مابعد ماقبل پر معطوف ہے اس لئے اس کا وہی اعراب ہے جو ماقبل کا ہے۔

(۳) علامہ کرمانی نے کہا، یہ اس مذہب کے اعتبار سے ہے جس نے علی ابن ابو طالب کو درست کہا ہے۔ (نزہۃ القاری جلد ۴ر صفحہ ۴۵۱)

لفظ لیت پر بحث

حروف مشبہ بالفعل کے متعلق کتب نحویہ میں ہے کہ اپنے اسم کو منصوب اور خبر کو مرفوع کرتے ہیں، جیسے اِنَّ زَیْداً قَائِمٌ اور انہیں میں سے ایک لفظ لیت ہے۔ جس کے متعلق ہدایۃ النحو صفحہ

۱۱۰ر پر لکھا ہے۔ "واجاز الفرّاء لیت زیداً قائماً" یعنی امام فراء نے لیت کے اسم وخبر دونوں کو منصوب پڑھنا جائز کہا ہے۔ لہٰذا لیت زیداً قائماً پڑھ سکتے ہیں۔

علامت مضارع کی حرکت

قواعد الصرف صفحہ ۴ر پر ہے کہ: اگر کسی فعل کے ماضی میں چار حروف ہوں چاہے سب اصلی ہوں یا بعض اصلی ہوں اور بعض زائد ہوں تو علامت مضارع مضموم ہوتی ہے۔

مثال: اکرم یکرم، صرّف یصرّف، اور اگر ماضی میں چار حروف سے کم یا زائد ہوں تو علامت مضارع مفتوح ہوتی ہے۔

مثال: کتب یکتب، استقبل یستقبل،

الحاصل: یہ کہ علامت مضارع کی حرکت کی دو صورتیں ہیں مضموم یا مفتوح۔

لغت عجیبہ

تفسیر بیضاوی میں "ایاك نعبد وایاك نستعین" کے تحت لکھا ہے کہ: "وقرئ بکسر النون فیهما وهی لغة بنی تمیم فانهم یکسرون حروف المضارعة سوی الیاء اذا انضم مابعدها" یعنی نعبد اور نستعین دونوں فعلوں کو نون کے کسرے کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ بنی تمیم کی لغت ہے، یعنی نِعْبد، نِسْتعین، کیونکہ بنی تمیم یا کے علاوہ باقی علامت مضارع کو کسرہ دیتے ہیں جب ان کا مابعد مضموم ہو۔

لعل کے مدخول کا مجرور ہونا

ہدایۃ النحو صفحہ ۱۱۰ر پر لکھا ہے کہ:

"وشذ الجر بها نحو، لَعَلَّ زَیْدٍ" بحسب روایت شاذہ لَعَلَّ کے اسم کو مجرور بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

موصوف اور صفت کی بحث

یہ ایک عام بات ہے کہ موصوف، صفت میں جہاں اور چیزوں میں مطابقت ضروری ہے وہیں

تذکیر وتانیث میں بھی مطابقت لازم وضروری ہے۔

ہدایۃ النحو صفحہ ۴۸ر پر ہے کہ: والقسم الاول یتبع متبوعهٗ فی عشرة اشیاء فی الاعراب والتعریف والتنکیر والافراد والتثنیة والجمع والتذکیر والتانیث نحو جاء رجل عالم، وامرأة عالمة۔

اعتراض

اگر ایسا ہی ہے تو قرآن پاک میں "یقول انها بقرة لافارض ولابکر" کیوں استعمال ہوا؟ فارضة وباکرة استعمال ہونا چاہیے!

الجواب

بیشک قانون وہی ہے کہ موصوف، صفت میں تذکیر وتانیث میں مطابقت ضروری ہے مگر اس کے شرائط ہیں اور ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ صفت بننے والا لفظ مؤنث کے ساتھ خاص نہ ہو ورنہ مطابقت ضروری نہیں رہ جائے گی اور فارض اور بکر یہ دونوں مؤنث کے ساتھ خاص ہیں جیسا کہ فیوض الرحمان ترجمہ تفسیر روح البیان جلد نمبر ۱ر صفحہ ۳۳۹ر پر ہے۔

اعتراض

ٹھیک ہے یہ دونوں مؤنث کے ساتھ خاص ہیں مگر آگے آیت میں "بقرة لاذلول" استعمال ہوا ہے تو ذلول تو مؤنث کے ساتھ خاص نہیں پھر ذلولة کیوں نہیں استعمال ہوا؟

الجواب

فعول کا صیغہ جب وصف ہو کر مستعمل ہو تو اس پر تاء تانیث داخل نہیں ہوتی جیسے صبور وغیرہ، جیسا کہ فیوض الرحمان ترجمہ تفسیر روح البیان جلد نمبر ۱ر صفحہ ۳۴۱ر پر ہے۔

"اذ" اور "اذا" کا فرق

قواعد النحو صفحہ نمبر ۵۴ر پر ہے کہ: اذ یہ مبنی بر سکون ہے ماضی کے لئے آتا ہے جیسے جئتك اذ طلعت الشمس۔

اور ہدایۃ النحو صفحہ ۶۳ر پر ہے کہ: اذا وھی للمستقبل واذا دخلت علی الماضی صار مستقبلاً نحو اذا جاء نصر اللہ، اذوھی للماضی۔

ان عبارتوں کا حاصل یہ ہوا کہ اذ ماضی کیلئے آتا ہے اور اذا مستقبل کیلئے،

اعتراض

اگر ماقبل کا قانون بالکل ٹھیک ہے تو حدیث پاک میں اس کے خلاف کیوں استعمال ہوا؟ یہ دیکھئے بخاری، کتاب بدء الوحی کی ایک حدیث کا یہ ٹکڑا ہے "اذ یخرجك قومك" جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی، یہاں اذ مستقبل پر داخل ہے ایسا کیوں؟

الجواب

اس کا جواب فتح الباری جلد نمبر ۱ر صفحہ ۳۳ر پر جو دیا گیا ہے وہ ملاحظہ کریں: "قال ابن مالك فیه استعمال 'اذ' فی المستقبل 'کاذا' وھوصحیح وغفل عنه اکثرالنحاۃ" ابن مالک نے اس میں "اذ" کا استعمال مستقبل میں ہے "اذا" کی طرح اور وہ صحیح ہے اور اس سے اکثر نحوی غافل ہیں۔

اور تھوڑا آگے لکھا ہے وعند التحقیق ما ادعاہ ابن مالك فیه ارتکاب مجاز، اور عند التحقیق جس کا دعویٰ ابن مالک نے کیا اس میں ارتکاب مجاز ہے۔

فوائد نافعہ ضروریہ

الاٰیۃ کا اعراب

عبارت میں بطور استدلال آیت کریمہ کا کچھ حصہ نقل کرکے "الاٰیۃ" لکھنے کی عادت مصنفین کی ہے۔ مثلاً: ہدایہ اولین کے صفحہ ۳ر پر ہے کہ: "قال اللہ تعالیٰ یآ یھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم 'الاٰیہ'——"

اب سوال یہ ہے کہ "الاٰیۃ" مرفوع ہوگا یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا؟۔

الجواب اسمیں دو صورتیں ہیں نمبر ۱ر "الاٰیۃ" یا تو منصوب ہوگا، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ

ہوگی: "فاقراء الاٰیۃ" یا مجرور ہوگا تو تقدیری عبارت یہ ہوگی کہ: فاقراء باقی الاٰیۃ" (ہدایہ اولین حاشیہ نمبر ۱۱)

لفظ ذات کا استعمال کب کہاں ہوتا ہے؟

عربی میں لفظ ذات کا استعمال مضاف ہوکر دیکھنے کو ملتا ہے، مثلاً بخاری شریف اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث جبریل کا یہ ٹکڑا ہے۔ "نحن عند رسول اللہ ذات یوم" اب سوال یہ ہے کہ لفظ ذات کا استعمال کس لئے یہاں کیا گیا ہے؟

الجواب

لفظ ذات کا استعمال یہ وہم دور کرنے کیلئے ہوتا ہے کہ یہاں معنیٰ مجازی مطلق وقت مراد نہیں ہے بلکہ معنیٰ حقیقی دن مراد ہے۔ مثلاً: رأیت ذات یوم یہ دیکھئے مرقاۃ للملا علی القاری جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۱۰۷

"وزیادۃ ذات لدفع توھم التجوز بان یراد بالیوم مطلق الزمان، لا انھار کمافی قولك 'رأیت ذات یوم'——"

مثل اور مانند کا فرق

سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ شریف

جلد نمبر ۵ر صفحہ ۹۹۳ر پر لکھتے ہیں کہ:

اکابر کیلئے یہ لفظ حدیث میں آیا ہے "الشیخ فی قومه کالنبی فی امته" مگر مثل اور مانند میں فرق ہے، مثل معاذ اللہ مساوات کا ایہام کرتا ہے اور مانند صرف ایک مشابہت چاہتا ہے اسی لئے امام اعظم نے فرمایا۔ "ایمانی کایمان جبریل" مثل جبریل نہ فرمایا۔